گاندھی نامہ
ذات و صفات کی نسبت
خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کے
سنہ ۱۹۲۲ء کے جلسہ کانگریس
سلطان احمد جو نظامی منیجر نظامی بکڈپو
نے
صوفی جنرل پرنٹنگ پریس میں چھاپ کر شائع کیا
بار اول

سنہ دو ہزار پچاس عیسوی میں مہاتما گاندھی کی مانتا

اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ مہاتما گاندھی کی نسبت آئندہ نسلوں کی کیا رائے ہوگی۔ آج جو لوگ ابھی تک ماں کے پیٹ میں بھی نہیں آئے اور جنکی ارواح کو ہماری دنیا کے حالات کا ہماری طرح محسوس کرنیکا خیال بھی نہیں ہے۔ کل جب انکو دنیاوی زندگی کے قیدخانہ میں بھیجا جائیگا۔ ہوش وحواس عطا ہونگے۔ اپنے ملک کی گزشتہ تاریخ ان کے سامنے آئے گی۔ اور وہ ان حالات کو جو آجکل ہمارے سامنے ہیں۔ گزری ہوئی کہانیوں کی طرح پڑھینگے۔ تو خبر نہیں مہاتما گاندھی کے بارہ میں وہ کیا خیالات ظاہر کرینگے۔

اگر ہم نے اپنی زندگی میں مہاتما گاندھی کی تجاویز کو سرسبز ہوتے دیکھ

لیا تب تو ہم یہی لکھ جائینگے کہ ہماری نسلوں کو مہاتما گاندھی کی نسبت یہ خیالات قائم کرنے چاہئیں۔ اور اگر خدانخواستہ مہاتماجی کو کامیابی نہ ہوئی تب بھی ان کے کارناموں کی بنا پر ہمارے بچے مہاتماجی کا نام عزت اور فخر کے ساتھ لیا کرینگے۔

بشریت کے ساتھ یہ امکان بھی موجود ہے کہ مہاتما گاندھی کے خیالات بدل جائیں اور وہ اس عظیم الشان خدمت کو چھوڑ دیں جس نے انکے کام کا ڈنکا تمام دنیا میں بجا دیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تب ہمارے بچے ان کے پہلے کاموں کی تعریف کرینگے اور بعد کی حالت پر کف افسوس ملینگے۔

میں نے وقتاً فوقتاً مہاتماجی کی نسبت جو کچھ لکھا تھا۔ اس کو برادر عزیز نور چشم سلطان احمد نظامی ایک جگہ جمع کرکے چھاپنا چاہتے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ میں تمہید کے طور پر انکو کچھ لکھ کردوں تاکہ مجموعہ مضامین گاندھی کے ساتھ اس کو شائع کیا جاسکے۔

وہ جو کچھ میری قلم سے نکلا تھا واقعات اور مواقع کیضرورتوں نے لکھوایا تھا اب ایسی کوئی ضرورت میرے ذہن میں نہیں ہے جس سے متاثر ہوکر میں کچھ لکھوں پہلے تو خیال آیا کہ تمہید کیضرورت نہیں یہی جواب بھیجدینا چاہیئے۔ پھر سوچا کہ تمہید کی تجویز تو خود میری تھی سلطان احمد نے تو اس کو مکرر یاد دلایا ہے۔ آخر مجھ کو اپنی اور تمام ملک کی موت کے بعد کا تصور کرنا پڑا۔ اور انسان کی فطری عمر کا قیاس کرکے (جو ایکسو اکیس سال بیان کیجاتی ہے) میں نے اسوقت کا تصور کیا۔ جبکہ دنیا کی موجودہ نسل میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہ ہو۔ تاکہ میں صحیح طریقہ سے اسوقت کی حالت پر غور کرسکوں اور اپنے سوا مجھ کو اور کوئی ایسا نظر نہ آسکے۔ جو گاندھی کا زمانہ دیکھ چکا ہو۔

سنہ ۲۰۵۰ عیسوی ایک ایسا زمانہ ہے کہ جو آج سے ایکسو اٹھائیس برس کے بعد آئیگا۔ اور اتنے عرصہ میں غالباً دنیا کا ہر موجودہ آدمی مرچکا ہوگا۔ لہذا اس سنہ کا تصور کرکے مہاتما گاندہی کی نسبت سننا چاہیئے۔ کہ دنیا میں ان کی نسبت کیا خیالات قائم ہیں ؁

سنہ دوہزار پچاس میں حسن نظامی کی سیاحت جہان

حضرت خضر علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور مجھ کو ڈھائی سو برس کی عمر مل گئی۔ میں ۱۹۲۲ء میں حضرت خضر کا وجود ثابت کیا کرتا تھا۔ اور تمام پڑھے لکھے اس سے انکار کرتے تھے۔

ایک روز حضرت خضر نے سامنے آکر فرمایا کہ میاں تم میری ہستی ثابت کرنا چاہتے ہو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہاری ہستی ڈھائی سو برس تک قائم رکھے۔ میں نے ہنس کر عرض کیا۔ کہ لارڈ کرزن اور مسٹر لائڈ جارج اور جنرل ڈائر اور سر مائیکل اوڈوائر بھی اسوقت تک زندہ رہے تو میرا اتنا زیادہ جینا اجیرن ہوجائیگا۔ آپ یہ دعا میرے لئے نہ کیجئے۔ انہوں نے فرمایا تم اسرار قدرت کی نسبت ایسی بات کہتے ہو جس میں گستاخانہ شوخی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ توبہ ہے جناب معاف کیجئے۔ اب ایسے الفاظ منہ سے نہ کہونگا۔ مگر اتنا بتا دیجئے کہ میں اتنے دن اگر زندہ رہا تو موجودہ فرائض

زندگی کیونکر اور گر سکونگا کیونکہ میرا دل زندگی کی محنتوں اور کشمکش سے اکتا گیا ہے اگر خدا مجھ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے تو اتنی عنایت اور کرے کہ میں جلسوں میں دعوت دینے والوں اور شادیوں میں بلانے والوں اور مشہور آدمی کی صورت دیکھنے کو شائق لوگوں کو نظر نہ آیا کروں۔ اور مجھ سے خط لکھنے اور تصنیف کرنیکی مہارت بھی سلب کر لیجائے۔ اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرے اندر ایک ایسی خاصیت پیدا ہو جائے کہ جب کوئی بہت بولنے والا مجھ کو دیکھے کہ تو اس طرح ڈر کر بھاگ جائے جسطرح دیوانہ کتے کا کاٹا ہوا آدمی پانی کو دیکھ کر ڈرجاتا ہے اور جب کوئی اچھی صورت اور اچھی آواز والا مجھ کو دیکھے تو بے تحاشا دوڑا ہوا میرے پاس آئے اور کہے کہ تھوڑا سا گانا سُن لو۔ اور جب خوبصورت پھول اور بہتا ہوا پانی مجھ کو دیکھے تو غیبی مدد سے اسقدر قریب آجائے کہ میں اس کو خوب جی بھر کر دیکھوں اور جبتک میرا دل سیر نہ ہو وہ مجھ سے جدا نہ ہو۔

میری یہ بھی تمنا ہے کہ اگر مجھکو زندہ رکھنا منظور ہے تو مجھکو ایسا پانی نہ پینا پڑے جس کے اندر کسی نے ناخن ڈبویا ہو۔ اور ایک رکابی کے اندر کئی آدمی میرے شریک ہو کر کھانا کھائیں جو گوشت کی بوٹیوں اور ترکاری کے قتلوں کو شست باندھ باندھکر تاک رہے ہوں۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی آرزو ہے کہ آیندہ کوئی مجھ سے یہ سوال نہ کرے کہ شام کو کیا کھانا کھائیے گا اور کیا پکانا چاہیئے؟

حضرت خضر میری مجنونانہ خواہشوں کو سُنکر مسکرا رہے تھے کہ میں نے اسی سلسلہ خواہشات میں یہ بھی عرض کیا کہ آیندہ میں اخبار پڑھنے کی کوفت سے بھی نجات چاہتا ہوں اور یہ بھی آرزو ہے کہ سوائے ایک آدمی کے بہت سے دوست پیدا کرنیکا خبط میرے دل سے دور ہو جائے اور مجھ سے دوستی ظاہر کرنیکا شوق بھی کسیکو نہ رہے۔

حضرت خضر نے فرمایا بس کرو بھتیں ان تمام خواہشات کے پیش کرنے

اور نہ ان لوگوں کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ البتہ صرف ایک اگر تم تمام خواہشوں میں سے چن لو۔ تو اس کے لئے میں بارگاہ الٰہی میں عرض کر دونگا۔

میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ میں صرف اچھی آواز کا خوب گانیوالا اخلاص مند اور بیغرض اور بامروت دوست چاہتا ہوں جسکو ہنسی کم آتی ہو اور اسکی آنکھوں میں آنسو زیادہ آتے ہوں جو صرف گاتا ہو باتیں نہ کرتا ہو اور میرے حالات کی پرسش نہ کیا کرے اور مجھکو اپنا یا دنیا کا کچھ حال نہ سُنایا کرے۔

میں چاہتا تھا کہ دوست کی صفات کو بیان کرتا چلا جاؤں مگر حضرت خضر نے روکدیا اور فرمایا تم کو دوست دیا جائیگا ایک مر جائیگا تو دوسرا ملیگا۔ وہ مر جائیگا تو تیسرا مل جائیگا۔ طول کلامی کو ترک کرو۔ اسکے بعد جو کچھ گزری اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں میری عمر اتنی بڑھگئی کہ سنہ دو ہزار پچاس عیسوی میں میں نے تمام دنیا کا سفر کیا جسکی مختصر کیفیت لکھتا ہوں اور اسمیں صرف وہ واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں جن کا تعلق مہاتما گاندہی سے ہے۔ افسوس ہے میری دعا قبول نہ ہوئی کہ لکھنے کی محنت سے آزاد کر دیا جاؤں ورنہ یہ محنت نہ کرنی پڑتی۔

سفرنامہ کی ابتدا

میں یکم جنوری ۲۰۵۰ء کو دہلی سے پیدل روانہ ہوا کیونکہ ریل تار برقی موٹر وغیرہ تمام چیزیں مہاتما گاندہی کے تعمیل احکام کے سبب اس ملک میں اب موجود نہیں رہیں۔

لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آجکل ہر چیز ارزاں ہے گیہوں روپے کے چار من بکتے ہیں گوشت کوئی نہیں کھاتا ترکاری کی ہر قسم ممنوع ہے کیونکہ اسکے اندر روح ثابت ہو گئی ہے خلقت گھی۔ دودھ روٹی۔ گڑ۔ کھانڈ۔ نمک کے سوا کچھ نہیں کھاتی۔ دودھ قانوناً ہر آدمی کو پانچ سیر روز پینا پڑتا ہے اور جو شخص پانچ سیر دودھ نہ پیئے اور بیماری یا اور کوئی قانونی وجہ پیش نہ کرسکے تو اسکو پانچ دن جیلخانہ میں رہنا پڑتا ہے۔

مسافروں کو گھی اور دودھ ہر جگہ مفت تقسیم ہوتا ہے کیونکہ گاندھی قوانین میں گھی دودھ دہی چھاچھ کا فروخت کرنا شدید جرم ہے اور مفت تقسیم کرنا بہت ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔

جب میں دہلی سے روانہ ہوا اپنے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا لباس میرے بدن پر تھا کیونکہ یہ بھی قانون ہے کہ ہر شخص اپنے ہاتھ کے سوت کا کپڑا پہنے۔

میں دو سیر گھی تین سیر آٹا سات سیر دودھ روزانہ استعمال کرلیتا ہوں اور مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ دہلی سے روانہ ہوکر اسیدن شام کو میرٹھ پہنچ گیا۔ راستہ میں مرادنگر قصبہ میں مجھکو ایک گھنٹہ مزدوری کرنی پڑی کیونکہ یہ بھی قانون ہے کہ کوئی آدمی نکما نہیں رہ سکتا۔ دودھ گھی تو مفت ملتا ہے آٹا اور نمک محنت سے حاصل کیا جاتا ہے مرادنگر میں ایک بنئے کے ہاں پچاس گائیں پلی ہوئی ہیں میں نے انکا گوبر صاف کیا۔ اور اسکے عوض مجھکو تین سیر آٹے کی روٹی نمک پڑی ہوئی ملی اور دودھ گھی مفت میں دیا گیا۔

اب گائے کی پوجا نہیں ہوتی

گزشتہ زمانہ میں ہندو گائے کو پوجا کرتے تھے اسکا پیشاب پیتے تھے اب یہ رواج نہیں ہے اور جب میں نے گزشتہ قصہ بیان کیا کہ پہلے ہندو گائے کو پوجا کرتے تھے تو مرادنگر کے ہندو اپنے بزرگوں کے دستور پر خوب ہنسے اور کہا شکر ہے اب ہم کو عقل آگئی ہے۔

ان لوگوں نے سنا کہ میں مہاتما گاندھی کے زمانہ کا ہوں اور انکے ساتھ رہ چکا ہوں اور ان سے میری دوستی ہو چکی ہے تو تمام قصبہ کے لوگ میرے دیکھنے کو جمع ہو گئے۔ وہ سب انکو باپو (باپ) کہتے ہیں اور یہی لفظ میں نے تمام دنیا میں سنا ہر قوم انکو باپو یا باپ کے ہم معنی لفظ سے یاد کرتی ہے۔ ایک غریب عورت نے کہا کیا سچ مچ تمہاری عمر اتنی بڑی ہے اور تم نے ان آنکھوں سے باپو کو دیکھا ہے۔ میں نے

کہا جھوٹ تو اس ملک میں اب کوئی نہیں بولتا۔ کیا تم خیال کرتی ہو کہ صرف میں ہی ایک جھوٹا باقی رہگیا ہوں؟ اس عورت نے تین بار میرا طواف کیا۔ اور کہا۔ باپو اگرچہ خدا نہیں تھا لیکن خدا کی آتما اس کے اندر تھی اور جس نے خدا کی آتما کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو اور اسکے پاس بیٹھ کر باتیں کی ہوں وہ اس قابل ہے۔ کہ میں اسکا طواف کروں۔ باپو غریب تھا۔ غریبوں میں آیا تھا اور غریبوں کے لئے آیا تھا۔

میرٹھ مراد نگر سے میرٹھ پہنچا۔ اور سیدھا لال کرتی بازار میں گیا۔ کیونکہ وہاں گزشتہ صدی میں میرے ایک پیچو دوست شیخ احسان الحق اور ہاشمی رہتے تھے اور میں نے ایکدفعہ وہاں اخبار توحید نکالا تھا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ اب وہ سرخ پوش بالشویک لوگوں کا جیلخانہ ہے۔ وہاں کئی ہزار بالشویک قید ہیں جنہوں نے ہندوستان میں آکر قتل و خونریزی کا وعظ کیا تھا۔ اور چونکہ یہاں جنگ اور خونریزی کا نام لینا بھی جرم ہے۔ اسواسطے ان سب کو یہاں قید کردیا گیا ہے اور انکو باپو کی کتاب سکھ یا تی روزانہ پڑھائی جاتی ہے اور دس سیر گائے کا دودھ جبراً پلایا جاتا ہے اور جب انمیں سے کوئی تشدد کے عقیدہ سے توبہ کرلیتا ہے تو اسکو رہائی مل جاتی ہے۔

تھانہ بھون دوسرے دن میرٹھ سے چلکر تھانہ بھون پہنچا۔ وہاں ایک مولوی خاندان اب بھی آباد ہے۔ میں نے ان سے مہاتما گاندھی کی نسبت پوچھا تو ان لوگوں نے ہزاروں گالیاں مہاتما جی کو دیں۔ اسوقت میں نے سمجھا کہ باوجود اسقدر انقلابات کے باعث اس علاقہ کے خیالات میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے ان لوگونکو بھی مجبوراً گوشت سے اور سبزی سے احتیاط کرنی پڑتی ہے اور ہر ایک آدمی کو ایک گائے پالنا ضروری ہے۔ یہاں مجکو روٹی نہیں ملی صرف دودھ پر گزارا کرنا پڑا کیونکہ کسی آدمی نے مجھ کو مزدوری نہیں دی۔

سہارنپور تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچا۔ وہاں بھی مہاتما جی کو برا کہنے

والے ہلو مگر تھوڑے ایک جماعت نے جمع ہو کر مہاتما گاندھی کی خوراک پر ایک لیکچر سنا۔

قادیان

سہارنپور سے انبالہ لودھیانہ امرتسر ٹھہرتا ہوا بٹالہ گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اب اس مقام کا نام بت الہ ہو گیا ہے کیونکہ قادیان کے مقابلہ میں ایک شخص یہاں پیدا ہوا تھا جو کہتا تھا کہ میں صورت بشری میں بکرالہ ہوں اور قادیان کے میرزا کو جھوٹا کہنے کیلئے میرا ظہور ہوا ہے اہل بٹالہ اسکو بُت الہ کہتے تھے اور اسی کیوجہ سے اب قصبہ کا نام بُت الہ ہو گیا ہے۔

میرا خیال تھا کہ قادیان میں میرزا قادیانی کی اولاد میں سے کوئی ملیگا مگر وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ سب لنڈن میں چلے گئے کیونکہ ان کے پاس چندہ کا زر بہت جمع ہو گیا تھا۔ اور دوسری خلافت کے دور میں قادیان کو ایک ایسا ناظر بیت المال مل گیا تھا جس نے چند روز میں خزانہ بھر پور کر دیا۔ اور روپیہ کی زیادتی کے سبب میرزا صاحب کے جانشینوں کو سیر لندن کا شوق ہوا۔

مگر قادیان کے ایک اصلی باشندہ نے لندن جانیکی یہ وجہ بیان کی کہ میرزا بہودا اسود نامی کوئی صاحب تخت خلافت پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کی غیر فانی شہرت و ہر دلعزیزی سے عاجز ہو کر ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور جماعت کے مشورہ عام کے بموجب لنڈن کی طرف ہجرت قرار پائی۔

قادیان میں آجکل کوئی میرزائی نہیں ہے۔ میرزا صاحب کی قبر کے پاس بہت بڑا گئوسالہ بنایا گیا ہے۔

عجیب جگہ

قادیان میں جس جگہ میرزا قادیانی رہتے تھے وہاں آجکل ایک سرائے بنگئی ہے جس میں اونٹ بیل گھوڑے۔ گاڑیاں وغیرہ بھی ٹھہرتی ہیں اور مسافر بھی قیام کرتے ہیں لوگوں نے بیان کیا کہ اس سرائے میں کوئی آسیب رہتا ہے اسواسطے کہ جو مسافر یہاں قیام کرے اسکو پچھلی رات خواب دکھائی

دیتا ہے۔ کہ ایک سو ایک منہ کا ایک خوفناک آدمی سامنے کھڑا ہے۔ اور اس کے ہر منہ سے آواز آتی ہے۔ کہ چندہ لاؤ۔ چندہ لاؤ۔ خواب دیکھنے والا ڈر جاتا ہے اور صبح پیدا ہوتے ہی یہاں سے بھاگنے کا سامان کرتا ہے ؛

مولوی ثناءاللہ کا مزار

قادیان کے مغربی رخ ایک باغ بنایا گیا ہے۔ اسمیں امرتسر کے مولوی ثناءاللہ کا مزار ہے۔ جس پر جمعرات کو قوالی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں جو شخص مولوی ثناءاللہ کی قبر کو دار کر پانی پی لے۔ اسکو قادیان کی سرائے میں وہ چندہ مانگنے والا بھوت دکھائی نہیں دیتا۔ میرزا صاحبؑ کی قبر سنسان پڑی ہے۔ اور ان کے حریف اعظم مولوی ثناءاللہ کے مزار پر بڑی رونق ہے میں یہاں کئی دن رہا۔ اہلحدیث کی قوالیاں میں نے بھی سنیں ؛

غرض اسیطرح میں سفر کرتا ہوا کابل پہنچ گیا ؛

کابل

یہ ملک آج کل ہندوستان کے زیر اثر ہے۔ یہاں اگرچہ مسلمان حکمران ہیں۔ لیکن قوانین گاندھی جی کے رائج ہیں گوشت کھانا یہاں بھی جرم ہے۔ البتہ پھل کھاتے ہیں۔ اور انکو ملکی حالت کے تقاضے سے اس کی قانونی اجازت مل گئی ہے۔

اب اس ملک میں خونریزی نہیں ہے۔ جب آپس میں جھگڑا ہوتا ہے۔ تو فارسی زبان میں کچھ لوگ کہتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پدر شمارا یاد دارید۔ گندہی از جنگ منع کردہ است۔ گندہی یعنے گاندھی کا نام سنکر لڑتے ہوئے آدمی رک جاتے ہیں۔ اور آپس میں میل ہو جاتا ہے

گاندھی کا مذہب

میں یہ لکھنا بھول گیا۔ کہ مہاتما گاندھی نے رحلت کے وقت یہ فرمایا تھا کہ میں مسلمان

مرتا ہوں۔ ہندوستان میں آجکل تو ان کے مذہب پر کوئی بحث نہیں کرتا۔ کیونکہ ہندو مسلمان آپس میں شیر و شکر ہیں۔ اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر دوسرے کے مذہب میں دخل نہیں دیتے۔ اور مہاتما گاندھی کو سب مذاہب کا خیرخواہ سمجھتے ہیں۔ مگر کابل میں سب لوگ مہاتما جی کو مسلمان خیال کرتے ہیں۔ اور انکو بڑی خوشی ہے کہ گاندھی کا انجام اسلام پر ہوا ٭

پدر خورد کا دربار

ایک روز بادشاہ کابل نے مجھ کو دربار میں بلایا۔ یہ پدر خورد کہلاتا ہے۔ کیونکہ پدر بزرگ گاندھی کا نام ہے۔ اور اس نے مجھ سے پوچھا۔ کہ پدر بزرگ کو تم نے دیکھا ہے۔ اس کی سب سے بڑی تعریف ہم کو سناؤ۔

میں نے کہا۔ پدر بزرگ شروع میں ہندوستان کا خیرخواہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر ۱۹۲۱ء کی احمد آباد کانگرس کے موقع پر خلوت کی ایک گفتگو میں اس نے کہا۔ کہ میں تو تمام دنیا کے لئے بہتری چاہتا ہوں۔ جنگ و تشدد دور کرانے میں تو انگریز بھی میرے سامنے ہیں۔ اور میں باوجود اس کے کہ ان کی گورنمنٹ سے اسوقت میرا مقابلہ ہے۔ یہ چاہتا ہوں کہ وہ بھی لڑائی کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں۔ اور انکی روحیں بھی حقیقی لذت حاصل کر سکیں۔

پدر بزرگ تمام مشرق کے لئے فخر تھا۔ اور اسی کے دم سے آج مشرق کو مغرب پر فوقیت حاصل ہوئی ہے۔

پدر خورد نے کہا۔ اس نے ایک مزیدار چیز گوشت کیوں ترک کرا دیا؟ میں نے کہا آپ نے کیونکر جانا کہ گوشت مزیدار ہے؟ یہ سنکر

بادشاہ گھبرا گیا۔ کیونکہ اس کو خوف ہوا کہ رعیت بگڑ جائے گی۔ اگر اسکو شبہ ہو گیا کہ میں نے گوشت چکھا ہے۔ اس لئے اس نے ڈرتے ڈرتے کہا میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ گوشت بہت مزیدار چیز ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں میں نے کہا۔ امن کی لذت گوشت کے مزے سے بہت اعلیٰ ہے۔ اور امن جب ہی آتا ہے۔ کہ انسان کے دل سے گوشت کے کھانے کی خواہش جاتی رہے۔ پدر بزرگ نے اس لئے گوشت ترک کرا دیا۔

دربار کے ایک عالم نے کہا۔ پدر بزرگ نے گوشت کو حرام نہیں کیا۔ نہ وہ ایسا کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ قرآن کا پیرو تھا۔ اس نے تو گوشت کو ایک حکیم کی طرح ہم بیماروں کے مزاج و امراض کے خلاف پایا اور کھانے سے روکا۔

کابل میں میری خوراک بہت بڑھ گئی تھی۔ میں چار سے زیادہ روٹی کھانے لگا تھا۔ یہاں بھی دودھ افراط سے ملتا ہے۔ مگر مفت تقسیم کرنے کا دستور نہیں ہے۔

مجھ کو کابل میں کہانی کہنے کی نوکری کرنی پڑی۔ اور اسی کے عوض مجھ کو روٹی ملتی تھی۔ تمام افغانستان میں مہاتما گاندھی کو بچہ بچہ عزت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی گوشت کے مسئلہ میں وہ لوگ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری قدیمی غذا ہم سے چھوٹ گئی۔

ایک روز بازار میں جا رہا تھا۔ ایک بڑھیا ملی۔ اور اس نے فارسی زبان میں پوچھا۔ کیا تو وہی شخص ہے جو گندھی کے وقت میں زندہ تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے یہ سنکر ایک جوتی میرے چہرہ پر ماری

اور کہا۔ تجھ کو اتنے دن جیتے رہنے سے شرم نہیں آتی۔ کیا تو شیطان ہے؟ بازار والے جمع ہو گئے۔ اور انھوں نے بڑھیا کو اس حرکت کے سبب گرفتار کر لیا۔ حاکم نے تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا۔ اس نے اس روز خفیہ طور سے گوشت کھایا تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ کہ بڑھیا کی خطا کے بدلہ میں کیا سزا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ سوا لاکھ دفعہ اس سے یہ کہلواؤ کہ گوشت سے دودھ اچھا ہے ؂

ایران

افغانستان سے فارغ ہو کر میں بخارا وغیرہ کا سفر کرتا ہوا ایران پہنچا۔ ہر جگہ تمام راستوں میں مجھ کو گاندھی کے ماننے والے ملے۔ کل وسط ایشیا میں ہندوستانی قانون و رسم و رواج جاری ہے۔ ہتھیاروں کا رکھنا جرم ہے۔ قتل شاذ و نادر ہوتے ہیں ؂

معشوق کا سراپا

ایران کے ایک مشاعرہ میں جانیکا اتفاق ہوا۔ ایک بڑے شاعر نے غزل پڑھی۔ جسکا مضمون یہ تھا:۔

پہلے میرے معشوق کا قد سرو کے برابر تھا۔ آنکھیں شمشیر تھیں۔ بھویں کمان تھیں۔ پلکیں تیر۔ اور ٹھوڑی کا گڑھا گہرا کنواں تھا۔ اور اس کے بال سانپ تھے ؂

مگر اب میں کہتا ہوں کہ میرا معشوق گاندھی کی طرح نیک ہے۔ اس کا قد گائے کی طرح درمیانہ ہے۔ اسکی آنکھوں سے گائے کے دودھ کی طرح نور برستا ہے۔ اور اس کی بھویں ایسی خمدار ہیں۔ جیسے دودھ دوہنے میں دودھ کی دھار ٹیڑھی نکلتی ہے۔ اس کی زلفیں گائے کی دم کے آخری بالوں کی طرح گچھے دار ہیں۔ وہ گاندھی کی طرح نازک بدن

اور شیرین سخن ہے۔ اور چاہ زنخداں وہ جیلخانہ ہے جہاں گاندہی کو انگریزوں نے قید کیا تھا ؛

شیراز ایک رات شیراز میں تھا۔ جہاں حافظ و سعدی جیسے لوگ رہتے تھے۔ وہاں میں نے حافظ کے اشعار اور سعدی کی نصائح کے ساتھ گاندہی کے اقوال بھی لوگوں سے سنے ؛

شیراز میں ایک بڑی مشہور عورت رہتی ہے۔ جو علم و دولت و عقل میں شہرۂ آفاق ہے۔ اسکا نام گلنار بیگم ہے۔ میں اس سے ملنے گیا۔ اسنے اسقدر سوالات گاندہی کی نسبت کیئے۔ کہ میں جواب دیتے دیتے تھک گیا۔ آخر عاجز ہو کر میں نے کہا :-

مہاتما گاندہی۔ مولانا محمد علی کی پانچ سالہ لڑکی گلنار بیگم سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اور انہوں نے جیلخانہ جانے کے وقت کہا تھا جب کہ ان سے پوچھا گیا۔ کہ آپکا جانشین اب کون ہوگا۔ گلنار بیگم میری جانشین ہے ؛

ایرانی گلنار بیگم نے یہ بات سنی۔ تو حسرت سے کہا۔ کاش! میں محمد علی کے گھر میں پیدا ہوتی۔ اور یہ فخر مجھ کو حاصل ہو سکتا۔

ایران سے روانہ ہو کر روس گیا۔ وہاں بھی جگہ جگہ مہاتما گاندہی کی یاد تھی۔ اگرچہ وہاں بالشویک اصول کے لوگ رہتے تھے۔ لیکن گاندہی کی یاد میں انہوں نے بھی ہتھیاروں کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ اور ان کو لڑائی کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی ؛

ٹرکی روس سے میں ٹرکی میں گیا۔ وہاں بھی ہر ترک گاندہی کا پیرو اور ان کا مداح تھا۔ وہ کہتے تھے۔ ایک بڑے مشکل وقت میں

گاندہی نے ہمارا ساتھ دیا تھا۔ ہم نے اسی لئے اس بکے اصول کو اپنے ہاں رائج کر دیا ہے۔ گوشت کھانا ہمارے ہاں بھی جرم ہے۔ جس طرح کہ ہندوستان افغانستان۔ ایران اور روس میں ہے ۞

جرمنی ٹرکی سے میں جرمنی میں آیا۔ جرمن لوگوں نے گاندہی کے نام کے جگہ جگہ کلب قائم کر رکھے ہیں۔ جہاں مجھ کو مدعو کیا جاتا تھا اور گاندہی پر مجھ سے تقریریں کرائی جاتی تھیں ۞

تین دن کی قید جرمنی میں تین روز مجھ کو قید رہنا پڑا۔ انھوں نے مجھ کو ایک عجیب آدمی سمجھ کر عجائب خانہ میں بند کر دیا اور ٹکٹ لگا کر لوگوں کو میری صورت دکھائی۔ تین روز میں لاکھوں عورت مرد نے مجھ کو وہاں آکر دیکھا۔ مگر میں اس قید سے عاجز آگیا ۞

یہ لوگ بھی گوشت چھوڑ چکے ہیں۔ اور ان کے ہاں بھی گاندہی کے اصول مساوات و عدم تشدد پر عمل ہوتا ہے۔ ہتھیار تو ساری دنیا سے اٹھ گئے۔ یہاں بھی اس کا نام و نشان نہیں ہے۔ البتہ جس عجائب خانہ میں مجھ کو قید کیا گیا تھا۔ وہاں میں نے چند توپیں اور بندوقیں بطور عجائبات کے رکھی دیکھیں تھیں ۞

فرانس جرمنی سے فرانس آیا۔ وہاں بھی میں نے گاندہی کے قانون کی حکومت دیکھی۔ اور لوگوں نے بڑے جوش خروش سے میرا خیر مقدم کیا۔

لنڈن گم ہوجانیکی خبر پیرس میں میں نے سنا۔ کہ شہر لندن کہیں گم ہو گیا ہے۔ اور بڑے بڑے ماہر اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ مگر وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ مجھ کو اس خبر سے

بہت حیرت ہوئی ۔ میں فوراً پیرس سے وہاں گیا۔ اور واقعی یہ دیکھا۔ کہ دریائے ٹیمز کے کنارے جہاں لنڈن آباد تھا۔ وہاں شہر نظر نہیں آتا۔ میں نے بھی بہت ڈھونڈا۔ مگر وہ دکھائی نہ دیا۔ تاہم انگلستان کے اور شہروں میں میں نے خوب سیر کی۔ اور ہر جگہ مہاتما گاندھی کی تعریف سنی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اب انگلستان کا ہندوستان سے کچھ تعلق نہیں رہا ہے۔ مگر بچہ بچہ کو ہندوستان کی باتیں یاد ہیں۔ اور وہ ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لیتے ہیں جب اس ملک کا ذکر آتا ہے ؀

قصہ مختصر میں تمام دنیا کا یہ "فرضی" سفر کرکے دہلی واپس چلا آیا۔ اور جہاں گشتی کے مشاہدات عام سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ اب دنیا سے لڑنے جھگڑے اور ہتھیاروں کی پوجا کرنے کا شوق تقریباً بالکل دور ہو گیا ہے۔ عورتیں ہر جگہ آزاد اور بے پردہ ہیں۔ نکمے لوگ بالکل نابود اور ناپید ہیں۔ تکلفات دور ہو گئے ہیں۔ یورپ میں بھی گوشت و شراب کا استعمال کم ہو گیا ہے۔ عیش پرستی کا اب وہ زور نہیں ہے۔ برقی روشنی سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ کلوں کے مقابلہ میں ہاتھ سے کام کرنے کو عزت خیال کیا جاتا ہے۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ مہاتما گاندھی کے حریف اعظم ملک انگلستان میں بھی عدم تشدد کی تحریک عام پسند ہے۔ صرف لنڈن کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں گم تھا۔ کہ وہاں مسٹر لائڈ جارج اور لارڈ کرزن کے جانشین کس خیال میں ہیں۔

مجھ کو تمام دنیا میں خصوصاً امریکہ میں گاندھی کے ماننے والے اور ان کے اصول پر چلنے والے نظر آئے۔ اگر یہ سفرنامہ سچا اور اصلی ہوتا تب بھی یہی ماننا پڑتا۔ کہ گاندھی کا اثر اب اس قدر عام ہو گیا ہے۔ کہ

صدیوں تک ان کا غلغلہ رہے گا ۔

حسن نظامیؒ

مہاتما گاندھی

موہن داس کرم چند نام - گاندھی عرف عام - دبلا بدن - گول چہرہ دانت چھدرے چھدرے - جن میں کچھ باقی کچھ ٹوٹ گئے - پیشانی کشادہ - آنکھیں درمیانی - نتھنے نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی - جن میں کسی قسم کی دلاویزی نہیں - کان رخساروں کی طرف جھکے اور زیادہ نکلے ہوئے ہیں - قد درمیانہ - عمر تقریباً پچاس سال - آواز میں گرج نہیں ہے - مگر بلندی اور صفائی خوب ہے،

خندہ پیشانی سے بات کرتے ہیں - ہنستے ہیں تو اوپر نیچے کے ہونٹ سمٹ جاتے ہیں - اور چھدرے چھدرے دانت صفائی سے دکھائی دینے لگتے ہیں - باتوں میں کسی کی لگی لپٹی نہیں رکھتے فیصلہ جلدی کر لیتے ہیں - مخاطب دوست و دشمن کوئی بھی ہو - کسی کی پرواہ نہیں کرتے -

اصل معاملہ کی نسبت رعایت یا مخالفت کے بغیر فیصلہ کر دیتے ہیں - خواہ سننے والا خوش ہو یا ناخوش - مشرقی لوگوں کی طرح وضعداری کا بہت خیال رکھتے ہیں - جو برتاؤ ایکدفعہ کسی کے ساتھ کیا ہو - اگر صداقت اور راستی حائل نہ ہو - تو ہمیشہ ویسا

ہی برتاؤ رکھنا چاہتے ہیں۔
ان کے پاس آنے والے جب اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ تو کبھی ان کے عیب یا ان کی نامعقول بات پر پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتے اگر کوئی انکے سامنے کسی کی برائی کرے۔ تو اسکو روک دیتے ہیں ہاں کوئی مفاد عام کی اطلاع ہو۔ تو مسکرا کر سن لیتے ہیں۔ مگر اپنی تصدیق محفوظ رکھتے ہیں۔
وہ کسی کے دشمن نہیں۔ مگر ایک بڑی قوم انکو اپنا دشمن خیال کرتی ہے۔ وہ ہر ہستی کے دوست ہیں۔ مگر اس دوستی کے جذبہ میں۔ وہ بیحد خودغرض واقع ہوئے ہیں۔ ان کی خودغرضی یہ ہے۔ کہ اپنے ضمیر۔ ایمان اور راستی کو ہر وقت سامنے رکھتے ہیں۔ اور اسی ذاتی غرض کے ماتحت وہ سارے جہان سے محبت کرنی چاہتے ہیں۔ مگر یہی خودغرضی انکے اقبال کا ستارہ بنی ہوئی ہے۔
انہیں دشمن کو دشمنی کے ہتھیار سے زک دینے کی لیاقت بالکل نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ سچائی کی تلوار ہر جھوٹ اور غرور کی گردن پر ماریں۔ ان میں ذہنی۔ دماغی تدبر اور دور اندیشی کی بہت کمی ہے۔ مگر یہ عیب ان کے خداداد جوہر صداقت و استقلال کی چادر میں چھپا رہتا ہے۔
لیڈری کی گود میں وہ چند سال کا بچہ ہیں۔ یعنی سیاسی دنیا میں انکی ولادت کو بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ افریقہ میں پہلے وہ ایک بیرسٹر تھے۔ پھر انہوں نے ستیہ گرہ شروع کرکے لیڈری میں بطور ایک جفاکش امیدوار کے نام لکھوایا۔

ہندوستان گاندہی کا نام سنتا تھا۔ تو اسکو کبھی یہ خیال نہ آتا تھا۔ کہ ایکدن آغوشِ سیاست کا یہ طفل شیر خوار، شہسوار معرکہ کارزار ہونے والا ہے۔ مسٹر اینڈریوز نے افریقہ سے واپس آکر ان کی بہت تعریف اخباروں ہیں چھپوائی۔ تو لوگ کہتے تھے کہ انگریز دعوت کھاکر بہت خوش ہوا کرتا ہے۔ گاندہی نے شاید مسٹر اینڈریوز کی بہت سی دعوتیں کی ہونگی۔ مگر تجربہ سے یہ کہنا غلط ثابت ہوا۔
لکھنؤ کانگرس میں پہلے پہل عام لوگوں نے گاندھی کو دیکھا۔ اور خود بخود اس شمع کے پروانے بنگئے۔ چمپارن اور کھیرا کے واقعات غریب نوازی نے انکی دھوم کو بڑھا دیا۔ رولٹ ایکٹ کی ستیہ گرہ نے انکی ہستی کو سارے ہندوستان کا سورج بنا دیا۔ جس کی روشنی میں سب چاند تارے چھپ گئے۔
خلافت و مسائل ٹرکی نے انکو مسلمانوں سے روشناس کرایا اور اب وہ تمام مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر مانے جاتے ہیں۔
مہاتما گاندہی کے نام اور کام کی زندگی بہت ہے۔ لیکن ان کے جسم کی عمر کم ہے۔ غالباً انکا مرنا ایک پرلطف اختلاف پیدا کردیگا۔ ہندو کہیں گے وہ ہندو تھے۔ اور مسلمان کہیں گے وہ مسلمان تھے۔ وہ توحید و رسالت کا اقرار علی الاعلان کرتے ہیں۔ مگر ہندو ہونیکے فخر کو آخر تک ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

نوٹ:۔ یہ مضمون حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ کی غیر مطبوعہ کتاب ہندوستان کے حلیہ نامہ سے نقل کیا گیا ہے۔

مہاتما گاندھی کی روحانیت

کا

تھرمامیٹر

تھرمامیٹر اس آلہ کا نام ہے جسکے اندر پارہ ہوتا ہے۔ اور جس کی مدد سے سردی گرمی اور مریضوں کے بخار کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

اس نئے فیشن اور نئی روشنی کے زمانہ میں روحانیت معلوم کرنے کے لئے بھی لوگوں کو تھرمامیٹر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ مجھ سے آئے دن پوچھا جاتا ہے۔ کہ مہاتما گاندھی روحانی آدمی ہیں یا نہیں۔ اور ہیں تو ان میں روحانیت کسقدر ہے؟

چونکہ میرا ایک ایسے طبقہ سے تعلق ہے۔ جو صدیوں سے روحانی سمجھا جاتا ہے۔ اسواسطے یہ سوالات مجھ سے کئے جاتے ہیں۔ نیز بعض لوگ جو خود میری نسبت روحانی ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔ بہت اصرار اور تقاضا سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ گاندھی صاحب کی روحانیت کا صحیح اندازہ بتاؤ۔

میں جواب دینا چاہتا ہوں۔ کہ جو روحانیت گذشتہ زمانہ کے ولیوں اور مہاپرشوں میں بیان کیجاتی ہے۔ اور جس کے تذکرے کتابوں اور قصوں میں مشہور ہیں۔ وہ نہ مجھ میں ہے۔ نہ گاندھی صاحب میں

ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ چونکہ خود مجھ میں نہیں ہے۔ اس واسطے میں دوسرے کی روحانیت پہچان نہیں سکتا۔ البتہ میں جس چیز کو روحانیت سمجھتا ہوں۔ وہ گاندھی صاحب میں بھی ہے۔ اور دوسرے بہت سے آدمیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ نفس اور خیالات کی پاکیزگی اور راستبازی ہے۔

مہاتما گاندھی کو جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا۔ تو وہ اسوقت کچھ زیادہ مشہور نہ ہوئے تھے۔ اور نئے نئے افریقہ سے واپس آئے تھے۔ ان کا لباس بھی تبدیل نہوا تھا۔ ایک سفید پگڑی باندھتے اور لٹھے کا سفید انگرکھا کاٹھیاواڑی طرز کا پہنتے تھے۔ دہلی کے گزشتہ کانفرنس میں انکا لیکچر بھی ہوا تھا۔ مگر مسز نیبنڈو کی تقریر کے سامنے گاندھی صاحب کے لیکچر سے کوئی بھی متاثر نہ ہوا تھا۔ اس واسطے کہنا چاہیئے۔ کہ اس وقت انمیں روحانیت بہت کم تھی۔ کیونکہ اگر روحانیت تاثیر عام کا نام ہے۔ تو اس زمانہ میں وہ بالکل نہ تھی۔

دوسری مرتبہ میں نے انکو احمد آباد میں دیکھا۔ جبکہ وہ گاندھی آشرم میں تھے۔ میرے ہمراہ احمد آبادی مریدوں کا قافلہ تھا۔ جب میں ان کے سامنے گیا۔ تو وہ ایک اونچی چوکی یا چارپائی پر بیٹھے تھے۔ جس کے سامنے زمین پر کچھ بچھونا بچھا ہوا تھا۔ جس پر ہم سب بیٹھ گئے۔ اور گاندھی صاحب نے اس کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ کہ ان کے مہمان زمین پر بیٹھے ہیں۔ وہ بے پروائی سے اوپر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ گو انہوں نے ہماری حد سے زیادہ خاطر کی۔ اور برہمنوں کے ہمراہ کھانا کھلا کر جانے دیا۔ تاہم انکا یہ فعل روحانیت کے سراسر خلاف تھا۔ کہ وہ

اپنے ہمجنس انسانوں سے اونچے بیٹھے رہے۔
تیسری دفعہ وہ خود میرے پاس ملنے آئے۔ جب کہ ان کی شہرت کا سورج پورے زور شور سے چمک رہا تھا۔ میں اسوقت زنانہ مکان میں تھا۔ مردانہ میں میرے مرید اور ملازم بیٹھے ہوئے تھے۔ پادری اینڈریوز ان کے ہمراہ تھے۔ مگر کسی شخص نے انکو نہیں پہچانا۔ اور جب انہوں نے کہا۔ کہ خواجہ صاحب کہاں ہیں۔ تو انہوں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ بیٹھ جائیے۔ وہ زنانہ مکان میں ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں باہر آجائیں گے۔
یہ سُنکر گاندھی صاحب جوتیوں میں بیٹھ گئے۔ اور کہا ان کو خبر دے دو۔ کہ گاندھی ملنے آیا ہے۔ گاندھی کا نام سُنکر تمام حاضرین دنگ دھک رہ گئے۔ اور ایسی گھبراہٹ ان میں ہوئی۔ کہ ہر شخص اٹھ کر دوڑنے لگا۔ اور میرے بلانے کو سب حاضرین اٹھ کر چلے آئے اور گاندھی صاحب کو اکیلا چھوڑ دیا۔
جب میں آیا۔ اور گاندہی صاحب کو جوتیوں میں بیٹھا دیکھا۔ تو ان سے اچھی جگہ بیٹھنے کی خواہش کی۔ مگر وہ نہ مانے اور وہیں بیٹھے رہے۔ اسوقت میں نے سمجھا کہ یہ ان کی روحانیت کا مکاشفہ ہے اور میرے قلبی خطرہ کا جواب ہے، جو احمد آباد میں گزرا تھا۔ یعنے وہ بتانا چاہتے تھے۔ کہ تارک دنیا کے لئے اونچی نیچی اور ادنےٰ اعلیٰ جگہ کا امتیاز کوئی چیز نہیں ہے۔ احمد آباد میں وہ اونچی جگہ بیٹھے رہے ہے۔ اور یہاں عوام کی جوتیوں میں بیٹھ جانے سے انکو کچھ اقتباط نہ ہوئی۔
پس میرے خیال میں یہی بے نفسی روحانی آدمی ہونے کی علامت ہے۔ ان کے نظام عمل یعنے تحریک ترک موالات میں بہت کچھ اعتراضات

کی گنجائش ہے۔ مگر انکی نیت اور صداقت پسندی ایسی اعلیٰ اور پاک و صاف ہے۔ کہ بڑے بڑے حریف اور دشمن بھی ان کے مداح ہیں۔ اور یہی روحانیت کی علامت ہے۔ کہ روحانی آدمی وہ ہے۔ جس کی کوئی خصلت دوست دشمن میں یکساں مانی جاتی ہو۔

مہاتما گاندہی سُنّت رسُولؐ کے قدموں میں

کچھ سُنا۔ ہندوستان میں مہاتما گاندہی کا ظہور ہوا ہے۔ وہ ایک آدمی ہیں۔ اور خدا آدمیوں ہی کو اپنی نعمت دیا کرتا ہے۔

کاٹھیاواڑ ایک غریب اور گمنام صوبہ ہندوستان کا ہے۔ وہاں بنیہ جیسی کمزور قوم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام موہن داس رکھا گیا۔ جس کے باپ کا نام کرمچند تھا۔ اسی کا لقب پہلے مسٹر گاندہی ہوا۔ جب وہ بیرسٹری کرتا تھا۔ پھر مہاتما (روح بزرگ) کہلانے لگا۔ جبکہ اسنے ارواح ہندوستان کو حق و حریت کا پیغام سنایا۔

میں خود گاندہی صاحب کے بہت سے سیاسی عقائد و احکام کا مقلد نہیں ہوں۔ نہ ان کو کما حقہ میں نے صحیح و درست تسلیم کیا۔ مگر ان کی ایک بنیادی چیز پر میرا اور دنیا کے ہر مسلمان کا اور مسلمان ہی نہیں دنیا کے ہر خدا پرست کا ایمان و یقین ہے۔ کہ وہ بالکل سچ اور یقینی ہے۔ وہ بنیادی چیز سب کو معلوم ہے۔ کیونکہ گاندہی جی نے اس کو اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہزاروں بار دوہرایا ہے۔ اور

مختلف صورتوں اور شکلوں سے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

ہر خیال و عمل کا مرکز خدا ہے

خدا پر توکل۔ خدا پر بھروسہ۔ اور اعتماد۔ اور خدا کی حاضر و ناظر قوت کا یقین اور اس یقین پر اپنے تمام خیالات اور عمل و کسب کا انحصار ایک ایسی بےمثل اور لاجواب چیز ہے۔ کہ کوئی شخص اگر اس میں کچھ بھی عقل ہو۔ اس کی خوبی سے انکار نہیں ہوسکتا۔

دوسری چیز جو عقیدہ خدا اور اعتماد علے اللہ سے سب سے اوّل پیدا اور ظاہر ہوتی ہے۔ وہ راستبازی اور صداقت شعاری ہے۔ گویا خدا سے اقرار اور اس پر اعتماد کرنے سے جو چیز سب سے پہلے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ سچائی اور صدق کی نعمت ہے۔ اور جب تک کسی نہ کسی صورت یا طریقے سے خدا کے وجود اور اس کے حالات انسانی میں کارساز ہونے کا یقین نہ ہو۔ حقیقی راستبازی آدمی میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور اس میں کسی نہ کسی قسم کی خرابی پڑی رہتی ہے۔

پس اقرار خدا ہی جو خود سب سے بڑی سچائی ہے۔ انسان کو سچا اور صادق بننے کا راستہ بتاتا ہے۔ اور اسی صداقت شعاری سے تمام اخلاق حسنہ۔ دیانت۔ رحم دلی۔ عدل۔ اور صبر و ضبط اور بےخوفی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔

گاندھی جی نے انہی دو چیزوں کو پہلے پہل پیش کیا تھا۔ اور انہی دو کی قوت سے وہ اس درجہ پر پہنچے۔ کہ آج دنیا میں سب سے بڑا آدمی

ان کو مانا جاتا ہے :

گاندہی کو اقرار ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم دنیا کے سب سے بڑے موحد اور دنیا میں سب سے اعلیٰ صداقت شعار تھے۔ گاندھی کا عمل بھی ان کے قدم بہ قدم ہے۔

وہ ہر تقریر میں یہ اعلان ضرور کرتے ہیں۔ کہ میں پکا سناتن دہرمی ہندو ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ خدا کو ایک اور وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔ اور خود میرے سامنے انہوں نے کئی بار اقرار کیا ہے۔ کہ وہ خدا کی ذات وصفات میں کسی کی شرکت کے قائل نہیں ہیں

وہ یہ بھی مختلف طریقوں سے اندرونی اور خانگی اور بیرونی و عام مجالس میں اقرار کر چکے ہیں کہ محمدؐ خدا کے فرستادہ تھے۔ اور انکی تعلیم خدا کی طرف سے تھی۔ اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآن خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی میرے سامنے کہا۔ کہ میں قرآن کو پڑھتا اور غور کرتا ہوں۔

پس اب خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی۔ یہودی ہوں یا پارسی اونچی قوم سے ہوں یا ادنیٰ ذات سے۔ ہمیں اس سے کچھ سروکار نہیں ہم انکو ان عقائد یا خیالات کے سبب اسلام کے باہر تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ اسلام کے معنے خدا کی وحدت کے اقرار اور رسالت محمدیہ کی قبولیت کے سامنے سر جھکا دینے کے ہیں۔ اور گاندھی نے اپنے قول وعمل سے یہ بات علانیہ ثابت کر دی۔ لہذا انکو اسلام کے غیر کسی متکبر اسلام فرقہ میں شریک سمجھنا بہت ہی مشکل بات ہے۔

سیاسی عقائد اور چیزیں ہیں۔ ان سے ہم کو یا کسی اور کو اتفاق

نہ ہو یا ہو۔ مگر گاندہی کی خدا پرستی اور صداقت شعاری میں ہر مسلمان ان کا ہم خیال ہے۔

دریائے رسالت کی امواج

زور یا موج گوناگوں برآمد۔ ہر زمانہ اور ہر دور میں چشمۂ محمدیہ ص کا مختلف شانوں سے فوارہ ابلا ہے۔ اور انکی سنت کی جو سنت الٰہی تھی۔ گوناگوں طریقوں سے تعمیل ہوتی آئی ہے۔ اب بحر نبوت میں ایک نئی طرح کی موج پیدا ہوئی ہے۔ اور ہندو نسل کے ایک فرد کے عمل کو سنت محمدیہ کے قدموں میں جھکا یا گیا ہے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے۔ کہ محمدؐ کی نبوت تمام جہان کے لئے تھی۔ اور ان کی تعلیم ہر قوم و ہر ملک کے عادات و خصائل و ضروریات زندگی کے لئے قیامت تک مفید و کارآمد ہو سکتی ہے۔

میرا خیال ہے۔ کہ ابتک مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی ہے۔ کہ اللہ تعالے نے گاندہی کے ذریعے سے اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلعم کو نمایاں اور درخشاں فرمایا ہے۔ اور جسقدر گاندہی کے اصول عالمگیر ہوتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم اور تبلیغ کی خوبیاں ان لوگوں کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ جو ابتک خدا کے اس فیض عام سے محروم و بیخبر تھے۔

گاندہی کے سامنے تو صرف ایک سلطنت ہے جسکو وہ حق و عدل کا پیام سناتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کو تمام دنیا کی سلطنتوں سے مقابلہ تھا۔ اور سارے جہان کو پیام حق و صداقت مساوات و معدلت پہنچانا تھا۔ گاندہی صرف ایک ملک کی آزادی چاہتے ہیں۔ ہمارے آقا نے تمام کائنات کو حریت کا سبق پڑھایا۔ اور انکی کوشش

سے انسان کو آزادی و مساوات کا اصلی و عملی راستہ معلوم ہوا۔

گاندھی کے لاکھوں کروڑوں ماننے والے ہیں۔ اخبار و تار و ریل و موٹر کے ذرائع انکو حاصل ہیں۔ ہمارے حضورؐ کے عہد میں کچھ بھی نہ تھا اور خود گھر اور خاندان کے آدمی مخالف تھے۔

گاندھی نے ہر قسم کے جدید علوم پڑھے۔ اور دنیا کو سیاحت کرکے دیکھا۔ سرورؐ دو عالم امی محض تھے۔ اور سوائے جزیرہ عرب اور شام کے اور کسی ملک میں جانے اور کسی باخبر سوسائٹی سے ان کا سابقہ نہ پڑا تھا۔ اور ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے ملکوں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔

گاندھی سنتِ رسولؐ کے قدموں میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ گاندھی صاحب سنّتِ رسولؐ کی کن طریقوں سے پیروی کرتے ہیں؟ دو اصولی باتیں تو اوپر بیان کر دی گئی ہیں کہ گاندھی میں اعتماد علی اللہ اور راستبازی ہے۔ ان کے بعد اب فروعات کو دیکھنا چاہیئے۔ گاندھی غذا بہت سادہ کھاتے ہیں۔ اور یہ سنت نبویؐ کی پیروی ہے۔ کہ حضورؐ بھی جَو کی روٹی کے سوا کوئی مکلف غذا استعمال نہ فرماتے تھے۔ گاندھی سادہ لباس پہنتے ہیں۔ اور یہ تقلید ہے آنحضرتؐ کی۔ آپؐ بھی بہت معمولی اور کم قیمت لباس استعمال فرماتے تھے۔

گاندھی اپنے گھر کا کام خود کر لیتے ہیں۔ حضورؐ بھی گھر کی عورتوں کے ساتھ خود اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی جوتی بھی اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔

گاندہی نشہ کی چیزوں کے خلاف ہیں ۔حضورؐ کی تعلیم بھی یہی تھی اور گاندہی کا یہ فعل عین تقلید سنت ہے ۔

گاندہی اچھوت اور ادنےٰ ذاتوں کی حقارت کے خلاف ہیں ۔ اور سب آدمیوں کو مساوی خیال کرتے ہیں ۔ یہ بھی حضورؐ کی تقلید و سنت کی پیروی ہے ۔ بلکہ مساوات کی عملی شان جسقدر حضورؐ نے برت کر دکھائی ۔ ویسی آجتک کسی سے بن نہ پڑی ۔

گاندہی غریبوں سے محبت کرتے ہیں ۔ اور امیروں سے زیادہ غریبوں کا خیال انکو ہے ۔ یہ بھی حضورؐ کی تقلید ہے ۔ کہ آپ امیروں سے بڑھ کر غرباء کے ہمدرد تھے ۔ یہانتک کہ آپؐ نے دعا فرمائی ۔ کہ مجھ کو غریب بنا کر زندگی دے ۔ اور غریبوں ہی میں میرا حشر کر ۔ غربت ہی میں مجھ کو موت آئے ۔

گاندہی کہتے ہیں کہ میں پکا سناتن دہرم ہندو ہوں ۔ مگر سناتن دہرمی ہندو مورتی کو پوجتے ہیں ۔ اور گاندھی کو اس سے انکار ہے ۔ ہندو ادنےٰ ذات کے آدمی کے سایہ سے بھی احتیاط کرتے ہیں ۔ مگر گاندہی انکو ساتھ کھانا کھلاتے ہیں ۔ ہندو گنگا کا اشنان ضروری سمجھتے ہیں ۔ مگر گاندہی اپنے ظہور کے بعد کبھی گنگا اشنان کرنے نہیں گئے ۔

ہندو جنیؤ پہنتے ہیں ۔ لیکن گاندہی کے گلے میں میں نے جنیؤ نہیں دیکھا ۔

ہندو بیوہ کی شادی نہیں کرتے ۔ اور اسکو بڑا گناہ سمجھتے ہیں لیکن گاندہی بیوہ کی شادی کو بہت ضروری خیال کرتے ہیں ۔ اور یہ عین حضرت محمد رسول اللہؐ کی سنت ہے ۔ کہ وہ شادی بیوگان کے

بڑے حامی تھے ۔ اور خود انکی تمام بیویاں سوائے ایک کے بیوہ رہ چکی تھیں۔

گاندھی سچ بات کہنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے ۔ اور کسی دوست یا رشتہ دار کی مروت انکو نہیں ہوتی ۔ یہ بھی آنحضرت صلعم کی سنت ہے حضور بھی صداقت و عدل کے سامنے کسی کا خوف یا کسی کی رعایت کو پاس نہ آنے دیتے تھے ۔

گاندھی بات کے دھنی ہیں ۔ جو بات ایکدفعہ منہ سے نکلتی ہے ۔ اس پر ثابت قدم رہتے ہیں ۔ اور چاہے تمام دنیا خلاف ہو جائے ان کے قدم استقلال میں جنبش نہیں ہوتی ۔ یہ بھی حضور کی تقلید ہے ۔ حضرت بھی بڑے مستقل مزاج اور بات کے پکے تھے ۔

گاندھی سے اکثر بشری غلطیاں ہوتی ہیں ۔ مگر آنحضرت سے کبھی غلطی نہ ہوتی تھی ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور حکم وحی کے بموجب کام کرتے تھے ۔ اور گاندھی اپنے انسانی دماغ کے ماتحت کام کرتے ہیں ۔

گاندھی نفسانی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں کرتے ۔ جو بات انکو حق کے خلاف معلوم ہوتی ہے ۔ فوراً اس سے دستبردار ہو جاتے ہیں یہ بھی سنت نبوی کی تقلید ہے ۔ کہ آپ بھی بدنامی کی پرواہ نہ کرتے تھے اور جو بات حق و انصاف کے خلاف معلوم ہوتی تھی اسکو بے تامل ترک فرما دیتے تھے ۔

مکہ میں آنحضرت صلعم ستیہ گرہ پر عمل کرتے تھے ۔ یعنی دوسروں کے حملوں کو صبر سے برداشت فرماتے تھے اور جواب نہ دیتے تھے ۔ یعنی خود کفار پر جوابیہ حملہ نہ کرتے تھے ۔ گاندھی بھی اپنی ابتدائی منزل میں ایسا ہی کر رہے ہیں ۔ اور غالباً دوسری منزل میں (اگر وہ ان کو

حاصل ہو، انکو مدینہ منورہ کی سنت پر عمل کرنا پڑے نگا۔ یعنے حملہ کا جواب حملہ سے دینا ہوگا۔

الغرض گاندھی کا موجودہ طرز عمل بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریف کے قدم بقدم ہے۔ اسی لحاظ سے ہم انکو کافر مشرک نہیں کہہ سکتے ؎

مہاتما گاندھی سے ملاقات

انکو اور ان کے آشرم والوں کو کھانے پینے میں ذات پات کا خیال نہیں ہے

محرم ۱۳۳۸ھ کی گیارہ تاریخ کو صبح ۸ بجے حسن نظامی دہلوی اپنے احمد آبادی اصحاب طریقت کے ہمراہ مہاتما گاندھی کے دیدار کے لئے گیا۔ وہ شہر احمد آباد سے ۵ میل باہر صابرمتی ندی کے کنارے آشرم میں ہے جہاں آجکل وہ مقیم ہیں۔ دو سال پہلے یہاں چھپروں کے مکان تھے۔ اب پختہ عمارتیں بن گئی ہیں۔

مولانا امام جو حضرمی عرب اور ذی علم بزرگ ہیں۔ اور سالہا سال سے گاندھی کی رفاقت میں رہتے ہیں حسن نظامی کو مہاتما کے سامنے لے گئے۔ مہاتما اسوقت اخبار نوجیون کے مضامین لکھ رہے تھے

ان کے کمرے میں ویسی ہی سادگی تھی جس کی امید ہم لیکر گئے تھے۔
وہ گاڑہے کی کمری پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ چہرہ پر ہلکی ہلکی سرخی سے
معلوم ہوتا تھا کہ اب انکی صحت اچھی ہے۔ ان کی آنکھوں میں سچائی
کی چمک نظر آتی تھی۔ انکے کان رخساروں کی طرف حد سے زیادہ
جھکے ہوئے ہیں۔ اور عام آدمیوں کی طرح نہیں ہیں۔ حضرت اکبر
الہ آبادی کے کانوں میں بھی یہ کیفیت دیکھی جاتی تھی۔ کہ وہ بات کرتے
وقت یا کسی خاص لطیفہ کی ادائیگی میں جنبش کرتے تھے۔

مہاتما گاندھی کے دانت ٹیڑے اور کمزور ہیں۔ ان میں بڑی بڑی
جھریاں پڑی ہوئی ہیں۔ انکی آواز ہلکی گرج رکھتی ہے۔ ان کا چہرہ
ہر وقت ہنستا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مہاتما نے حسن نظامی سے کہا۔ میں تمہاری کتاب "کرشن بیتی"
کا گجراتی ترجمہ آجکل سفر میں ساتھ رکھتا ہوں۔ تاکہ جہاں کہیں فرصت
ملے۔ میں اسکو پڑھوں۔ اور پھر اس پر ریویو لکھوں۔

حسن نظامی نے پوچھا۔ آجکل ہندوستان میں سب سے زیادہ
کس کو مشکل ہے؟

مہاتما نے ذرا تامل کے بعد جواب دیا۔ میرے خیال میں وائسرائے
کو سب سے زیادہ دشواری کا سامنا ہے۔ طرح طرح کی ذمہ داری ان
پر عائد ہے۔

حسن نظامی نے کہا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ انکو اپنی
قوت پر اسقدر اعتماد ہے۔ کہ وہ کسی مشکل کی پرواہ نہیں کرتے۔
میرے خیال میں سب سے زیادہ مشکل مہاتما گاندھی کو ہے۔ کہ وہ ایک

طرف تو خدا کا یقین رکھتے ہیں۔ دوسری طرف دیکھتے ہیں۔ کہ تمام ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی نگاہیں مجھ پر لگی ہوئی ہیں میں وہ کام کروں جو ان کی بھلائی کا ہو۔ پس کیسی مشکل میں ہے وہ شخص جو جھوٹ اور انکار خدا کی عالمگیری میں سچائی اور خدا پرستی کا بھی خیال رکھنا چاہتا ہے۔ اور ملک کی بہتری اور رہنمائی کا بھی اس کو خیال ہے۔ وہ مہاتما گاندھی ہیں۔ تو کیا مہاتما گاندھی سے بڑھ کر بھی کسی اور کو مشکلات کا سامنا اس ملک میں ہے؟

مہاتما نے اس بات پر تبسم کیا۔

اس کے بعد حسن نظامی نے کہا۔ شیطان آپ ہی جیسے آدمیوں کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا آپکو غرور سے بچائے۔ اور شیطان کے فریب سے آپ محفوظ رہیں کہ ایسی عام قبولیت کے زمانہ میں بعض آدمی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی گمراہی اور گھمنڈ سے تمام ملک گمراہ ہو جاتا ہے۔ خدا آپ کو آپ کی صداقت پسندی کے سبب غرور سے بچائے۔ اور آپ ہندوستان کی خدمت کرنے کے لئے مدتوں زندہ رہیں۔

اسکے بعد مہاتما موجودہ مسئلہ خلافت وغیرہ امور کی نسبت کچھ مشورے کرتے رہے جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ انکو اسلامی مسائل سے مسلمانوں کی طرح محبت ہے۔

مہاتما گاندھی آجکل پھل اور دودھ وغیرہ کے سوا غلہ کی قسم میں سے کچھ نہیں کھاتے۔

ان کے آشرم میں لڑکوں کو ایسی تربیت دیجاتی ہے۔ کہ وہ

روز میں اصلی سچائی سے ملک کے خدمت گزار بنجائیں گے۔ اب مسلمانوں نے بھی اپنے بچوں کو انکی خدمت میں بھیجنے کا میلان ظاہر کرنا شروع کیا ہے۔

حسن نظامی نے آشرم کے استادوں کو دیکھا۔ وہ سب اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور سچائی کی مورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مہاتما گاندہی کھانے پینے میں ذات پات کا پرہیز نہیں کرتے۔ انکے کھانے کا وقت نہ تھا۔ مگر انکے آشرم کے متعلقین نے جو اعلےٰ ذات کے ہندو تھے ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔ جو اسیوقت وہیں خاص طور پر ہمارے لئے مہیا کیا گیا تھا۔

مولانا امام اور مہاتما گاندہی کی رفاقت کے عجائبات دیکھکر اور سنکر کونسا ہندوستانی ہے جسکو ہندو مسلم اتحاد کا یقین نہ ہوگا۔

مہاتما گاندھی رین بسیرے میں

۲۹ اکتوبر دو بجے دوپہر کو ہم لوگ رین بسیرے خواجہ حسن نظامی میں بیٹھے تھے۔ اور خواجہ حسن نظامی صاحب اسوقت درویش خانہ کے اندر تھے جو رین بسیرے کے قریب واقع ہے۔ ہم نے دیکھا۔ تین آدمی آئے جن میں ایک دراز ریش کے انگریز تھے اور دو ہندوستانی موٹے گاڑہے کے کپڑے پہنے ہوئے۔ ایک ہندوستانی

ان میں سے پا برہنہ تھے۔ انھوں نے آکر کہا۔ خواجہ صاحب کو خبر دیدیجئے۔ کہ گاندہی ان سے ملنے آیا ہے۔

اسوقت جتنے آدمی رین بسیرے میں موجود تھے۔ لفظ گاندھی سنکر سکتہ کے عالم میں رہ گئے۔ کیونکہ جس یگانۂ عصر پیشوائے ہندوستان کی ہم لوگ رات دن دھوم سنتے تھے۔ اسکو ایسی سادگی اور معمولی حالت میں دیکھکر ہم سب کی عقلیں پراگندہ ہوگئی تھیں۔ اور ہم سمجھتے تھے۔ کہ شاید ہم خواب دیکھ رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کو اطلاع دیگئی۔ اور وہ باہر تشریف لائے۔ مہاتما گاندہی انکو دیکھکر کھڑے ہوگئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ جسکے جواب میں خواجہ صاحب نے بھی ان کو ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔ بعد ازاں مہاتما گاندہی نے اپنے انگریز ساتھی کا تعارف کرایا۔ اور کہا۔ کہ یہ مسٹر اینڈریوز ہیں۔

خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ پھر فرمانے لگے۔ ہم لوگوں کو ایسے انگریزوں کی تہ دل سے قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کا کام حقیقی صداقت پرستی کے لئے ہے۔

آپ (گاندھی جی) ہندوستانی ہیں۔ آپ کا کام ذاتی اور ملکی ہونے کے سبب سے خود اپنا کام ہے۔ مگر یہ غیر ملک کے اور غیر قوم کے ہیں یہ جوکچھ ہماری مدد کرتے ہیں۔ خدا اور حق کی خاطر کرتے ہیں۔ پھر مسٹر اینڈریوز کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا۔ ہندوستان آپ کی خدمات کا بدلہ دینے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کا سب سے بڑا بدلہ آپ کا دل دیگا۔ کیونکہ اس سے زیادہ حق کی حمایت سے اور کسیکو

خوشی نہیں ہوتی :۔

سچی عادت کیونکر پیدا کیجائے

اس کے بعد دیر تک مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں خواجہ صاحب نے مہاتما گاندھی سے پوچھا۔

سچ بولنے کی عادت کیونکر پیدا کیجائے ؟ اکثر آدمی چاہتے ہیں کہ سچ بولیں اور سچے رہیں۔ مگر وہ عمل نہیں کر سکتے۔

مہاتما نے کہا۔ انکو چپ کا روزہ رکھنا چاہیئے۔ اس سے انکی زبان قابو میں آجائے گی۔ اور سچ بولنا آسان ہو جائے گا۔

یہ سن کر خواجہ صاحب نے دیوار پر لکھا ہوا ایک قول انکو دکھایا۔ جو کسی ہندو گرو کا ہے۔ کہ "بہ روز وہ نہ کر جسکو دل چاہتا ہو۔ اس کے بعد وہ ہوجائے گا جو تو چاہتا ہے"۔

اور فرمایا کہ آپکا قول اس قول کے بہت مطابق ہے۔

پھر دیواروں پر لکھے ہوئے اقوال خواجہ صاحب نے پڑھ پڑھ کر مہاتما کو سنائے اور انکا مطلب سمجھایا۔

اس کے بعد مہاتما گاندھی غالب کے مزار پر گئے۔ اور وہاں سے خواجہ صاحب مقبرہ ہمایوں دکھانے انہیں اپنے ہمراہ لیگئے۔

گو مہاتما گاندھی کا لباس اور ظاہری حال انکے بڑے ہونے کو ظاہر نہیں کرتا۔ مگر انکا روشن چہرہ اور پر اثر باتیں دلالت کرتی تھیں۔ کہ وہ سچے اور روحانی آدمی ہیں۔

راقم حسن عزیز بھوپالی

حضرت اور مہاتما گاندھی کی ملاقات

حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین سجادہ نشین پھلواڑی شریف و امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں مہاتما گاندھی سنہ ۱۹۲۱ء میں حاضر ہوئے تھے۔ مہاتما گاندھی کے ہمراہ مولانا ابوالکلام اور مسٹر مظہرالحق صاحب وغیرہ حضرات تھے۔ مہاتما جی حجرہ کے اندر گئے۔ اور حضرت کے سامنے بیٹھے۔ مولانا ابوالکلام نے تعارف کرایا۔ اور بیان کیا کہ آپ فلاں سلسلہ اور طریقہ کے بزرگ ہیں۔ اور مسٹر مظہرالحق صاحب نے کہا۔ کہ حضرت سالہا سال سے اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ اور خانقاہ کے باہر مسند نشینی کے بعد کبھی قدم بھی نہیں نکالا۔

مہاتما گاندھی چپ چاپ حضرت کو دیکھتے رہے۔ اور حضرت بھی عالم سکوت میں ان کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ مگر خبر نہیں اس خاموشی دید بازی میں دلوں نے کیا کیا باتیں کریں۔ کہ واپس آکر پٹنہ کے جلسہ عظیم میں مہاتما گاندھی نے کہا۔ میں آج پیر صاحب سے ملا۔ ان کے پاس چاروں طرف سے خلقت کھچی چلی آتی ہے۔ مجھ پر ان کے ایک جگہ بیٹھے رہنے کا بڑا اثر ہوا۔ اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اب میں بھی سفر کو چھوڑ کر ایک جگہ بیٹھ جاؤں +

گائے۔ گیتا۔ گنگا۔ گائتری اور

گاندھی

گائے۔ گیتا۔ گنگا۔ گائتری ہندوؤں کے اربعہ عناصر ہیں۔ ہندو قومیت کے مرکزی اجزاء کو نظر تحقیقات سے دیکھا جائے۔ تو ان چاروں کا دخل ہندو قوم کی اجتماعی حالت میں پایا جائیگا۔

گائے ایک جانور ہے۔ گیتا ایک کتاب ہے۔ گنگا ایک دریا ہے۔ گائتری ایک منتر (کلمۂ مذہبی) ہے۔ اگر ان چاروں کو فرداً فرداً زیر بحث لایا جائے۔ تو گائے کے اوپر تمام ہندو قوم فراہم ہو جائے گی۔ یعنے گائے ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جس سے ہندوؤں کی ہر ذات اور ہر فرقہ کا تعلق پایا جائیگا۔ اس کے بعد گنگا کا نمبر ہے۔ پھر گائتری اور سب کے آخر میں گیتا۔

ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ یہاں کے باشندوں میں گائے اور گنگا کے ساتھ محبت ہونا کچھ عیب نہیں ہے۔ کیونکہ گائے سے وہ بیل پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے زراعت کے بہت سے کام لئے جاتے ہیں اور گنگا بھی بظاہر حالات زراعت ہی کے سبب ہندوؤں کا عقیدتگاہ قرار پایا ہو گا۔ کیونکہ زراعت کو آبپاشی کی ضرورت رہا کرتی ہے۔

یہ دونوں حصے یعنے گائے اور گنگا تو محض معیشت کے متعلق ہیں اور گیتا و گائتری علم و مذہب کی چیزیں ہیں۔ گیتا فلسفہ زندگی کی

ایک کتاب ہے۔ جو سری کرشن جی کے ملفوظات سے مرتب کی گئی ہے۔ اور گائتری ایک ایسا مذہبی کلمہ ہے۔ جو خاص ذاتوں اور خاص عمر کے استعمال کے آزاد نہیں ہے۔

گائے اور گنگا کی عالمگیر عقیدت کے سبب بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو محض ایک دنیاوی قوم ہیں۔ کیونکہ وہ معیشت کی دو چیزوں گائے اور گنگا پر اجتماع عام رکھتے ہیں۔ اور علم اور مذہب کی اشیاء پر ان کا ایسا اتفاق نہیں ہے۔ جیساکہ اشیائے معیشت پر ہے۔

گائتری منتر نیچ ذاتوں اور نا اہلوں کے لئے حرام کیا گیا۔ اور منوجی کے دھرم شاستر کا فتوے یہ ہے۔ کہ اگر نیچ ذات کے ہندو کو کوئی شخص گائتری منتر تعلیم کردے۔ تو سزا میں اس کے حلق کے اندر سونا گرم کرکے ڈالنا چاہیئے۔

گیتا کے متعلق بھی ہندوؤں کے بہت سے فرقوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ کچھ اعلیٰ کتاب نہیں ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ سری کرشن اس کے مصنف ہی نہیں ہیں۔ ان اختلافات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فلسفہ کی اس عظیم الشان کتاب پر ہندو قوم کا اجتماع نہیں ہے۔ پس صرف گنگا اور گائے یہ دو چیزیں ایسی ہیں۔ جن کو ہندو قومیت کا مرکز کہا جاتا ہے۔ مگر گنگا میں بھی بعض نیچ اور کمین ذاتوں کو ہندو قوم نے شرکت و مساوات کا حق نہیں دیا ہے۔ اسواسطے عام مرکزیت اسکو بھی حاصل نہیں ہے۔

البتہ گائے ایک ایسی چیز ہے۔ جس کی عقیدت و محبت میں ہر

ہندو یکساں. شریک و مساوی نظر آتا ہے۔ اگرچہ بعض نیچ ذات کے ہندو (چمار وغیرہ) مردہ گائے کا چمڑہ اتارنے میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی طرح کچھ زیادہ احتیاط نہیں کرتے۔ تاہم عقیدہ ان سب کا یہی ہے کہ گائے ہماری ماتا (ماں) ہے۔ اور ہمیں اسکی حفاظت کرنی چاہیئے۔

جو لوگ ہندوؤں کو محض دنیاوی قوم کہتے۔ انہوں نے شاید اس پر غور نہیں کیا۔ کہ اگرچہ گائے اور گنگا کی محبت معیشت کے دنیاوی اصول پر رائج کی گئی تھی۔ تاہم آجکل گنتی کے چند تعلیم یافتہ ہندوؤں کے سوا کروڑوں ہندو مذہبی حیثیت سے گائے اور گنگا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ایک آدمی کو بھی بنیادی اصول کا خیال نہیں آتا ہے۔

گاندھی

چار گاف کی قوم کو خدا نے آجکل پانچواں گاف گاندھی کا عنایت کیا ہے۔ اور وہ بھی گائے، گیتا، گنگا، گائتری کیطرح ہندو قوم میں ہر دلعزیز ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ اس پانچویں گاف کو مسلمان سکھ، پارسی، اور ہندوستان کے عیسائی اور یہودی بھی اپنا محبوب مانتے ہیں۔

گاندھی تحریک میں دین دنیا کا فائن

مہاتما گاندھی نے دو تین برس کے اندر چند ایسی غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ جن کو ہندوستان تمام دنیا کے سامنے جس قدر فخر کے ساتھ پیش کرے اسکو زیبا ہے۔

ایک تو یہ کامیابی سب سے نرالی اور سب سے عجیب ان کو حاصل ہوئی۔ کہ ہندوستان کی تمام بیشمار اقوام نے انکو اپنا لیڈر بنا لیا۔ ورنہ ساری دنیا کہا کرتی تھی۔ کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بیسیوں قسم کے مذاہب۔ بیسیوں قسم کی جداگانہ زبانیں اور ہزاروں طرح کے رسم و رواج ہیں۔ اور جہاں ایک گھر کے اندر چار آدمی بھی ہم عقیدہ۔ ہم خیال و ہم وضع و ہم لباس و ہم خوراک بمشکل ملتے ہیں۔ وہاں آزادی کا خیال کرنا محال ہے۔ کہ آزادی اتحاد چاہتی ہے۔ اور یہاں ہر چیز اتحاد کے برعکس ہے۔

اور ایک لیڈر پر تمام اقوام کا ہم عقیدہ ہو جانا ناممکن محض سمجھا جاتا تھا۔ مگر گاندھی کے دبلے پتلے جسم اور موٹے چھوٹے لباس اور مجذوبانہ عقل میں خبر نہیں کیا تاثیر تھی۔ کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں ساری قوموں نے اسکو اپنا متحدہ لیڈر تسلیم کر لیا۔ اور اونے

سے لیکر اعلیٰ تک کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہ رہا جس نے اسکو اپنا بڑا اور رہنما نہ مان لیا ہو۔

دوسری کامیابی یہ ہوئی کہ ہندو مسلمان مل گئے۔ ورنہ اگر آسمان زمین پر آجاتا اور زمین مریخ میں چلی جاتی۔ اور سمندر خشک ہو کر چاندی سونے کا میدان ہو جاتا۔ جب بھی کوئی صورت ان دو جاہل وحشی اور طفلانہ مزاج قوموں کے ملاپ کی نہ معلوم ہوتی تھی۔

تیسری کامیابی یہ ہوئی کہ بیشمار ہندوستانیوں میں اپنی غلامی اور تکلیف کا حس پیدا ہو گیا۔ خصوصاً جاہل اور دیہاتی گروہ میں جس کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اپنی حالت کا احساس نظر آنے لگا۔

سوراج بھی ہے

کیا خلقت احمق ہو گئی۔ جو کسی اور سوراج کی آمد کا انتظار کر رہی ہے؟ سوراج تو حاصل ہو گیا جس محکوم کو اپنی پستی اور حاکم کی زبردستی اور اسکے اسباب معلوم ہو جائیں۔ اور وہ اس کے احساس سے مضطرب بھی ہو جائے۔ تو بس وہ آزادی کے دروازہ میں داخل ہو گئی۔ اور اب کوئی طاقت اس کے خیالات حریت کی رَو کو روکنے کی مجال نہیں رکھتی۔ خواہ کتنی ہی تدبیریں کیجائیں۔ انگریزوں کا اس ملک سے چلا جانا۔ اور ہندوستانیوں کا خود مختار ہو کر راج کرنا شیخ چلی کا خیالی پلاؤ ہے۔ ابھی اسکے پکنے میں ایک مدت درکار ہے۔ سوراج جس چیز کا نام ہے وہ تو ہاتھ میں آچکا ہے۔

دینی و دنیاوی فائدے

اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ گاندھی تحریک سے اس ملک کو کیا کیا دینی

اور دنیاوی فائدے ہوئے ؟

پہلا دینی فائدہ یہ ہوا۔ کہ ہر مذہب اور خیال کا ہندوستانی خدا کی طرف لَو لگانے اور دل کو اس کے سامنے حاضر کرنے کی طرف راغب ہونے لگا۔ اور یہ سب سے بڑی دینی کامیابی ہے۔

دوسری کامیابی یہ ہوئی۔ کہ مسلمان کثرت سے نمازی ہوگئے۔ جن شہروں اور آبادیوں میں مسجدیں ویران پڑی تھیں۔ وہاں نمازیوں کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ اور جو لوگ نماز اور نمازیوں پر ہنسا کرتے تھے وہ ذوق خاص سے خدا کے سامنے سربسجود نظر آتے ہیں۔ کیا یہ کچھ کم دینی فائدہ ہے ؟

تیسری کامیابی یہ ہوئی۔ کہ ہزارہا بلکہ لکھو کھا ہندو مسلمانوں نے شراب چھوڑ دی۔ اور دیگر قسم کے نشوں کا استعمال بھی کم کر دیا اور یہ معمولی کامیابی نہیں ہے۔

ڈاڑھی پرست مولویوں کی مراد بھی خدا نے پوری کی۔ اور خلافت کی تحریک نے ہزاروں چہرے ریش دار بنا دئے۔ ورنہ یہ اصلاح ناممکن ہوگئی تھی اس معاملہ میں ہندوستان مصر سے بھی بڑھ گیا۔ وہاں قاضی ومفتی اور شیخ المشایخ تک ڈاڑھی سے آزاد ہیں۔

دنیاوی فائدے بھی بہت ہوئے۔ دو چار کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ فائدہ ہوا۔ کہ صدہا مولوی روزگار سے لگ گئے۔ جو پہلے یا تو مسجدوں میں امامت کرتے تھے۔ یا مدرسوں میں مُدرسی اور یا تفرقے ڈالنے کے فتوے بازی۔ گاندھی تحریک نے سب جھگڑالو مولویوں کو ایک رخ لگا دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اب مسلمانوں میں پہلی

سی خانہ جنگی نہیں پائی جاتی۔ اور ہر روز نئے کسی نئے مسئلہ کا جھگڑا سننے
میں نہیں آتا۔ اور اس کی وجہ بظاہر اسباب غور کرنے والوں کو سوائے
اسکے اور کچھ معلوم نہ ہوگی۔ کہ اب ہر صوبہ میں بیسیوں مولویوں کو
خلافت کی ملازمت یا اسکے ذریعہ سے اعزازی معاش حاصل
ہوگئی ہے۔ اور ان کو فرقہ بندی کے ذریعہ معاش حاصل کرنے کی
ضرورت نہیں رہی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لاکھوں جلاہے۔ جن میں غالب تعداد مسلمانوں
کی ہے۔ برسرکار ہوگئے۔ اور اب انکو نہ پہلی سی بیکاری ومفلسی کا
سامنا ہے۔ نہ انکو دوسرے فرقہ کے لوگ ذلت وحقارت کی نظر سے
دیکھتے ہیں۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس کو میں بڑا فائدہ سمجھتا ہوں۔ کہ ہر ہندوستانی
اور ہر مسلمان میں جو اس تحریک کا موافق ہو یا نہ ہو۔ کفایت شعاری
اور سادہ زندگی بسر کرنے کا شوق وحس پیدا ہوگیا ہے۔ اگر یہ قائم
رہے۔ اور ترقی کرے۔ تو سوراج صرف اسی ایک چیز کو کہا جا سکتا
ہے۔

چوتھا فائدہ جس کو میں بہت ہی اہمیت دینی چاہتا ہوں۔ یہ
ہے کہ عورتوں میں سادگی اور کفایت شعاری کا بہت گہرا احساس
پیدا ہوگیا ہے۔ اور جس قوم کی عورتیں اس ضرورت کو تسلیم کرلیں
اس پر لائیڈ جارج اینڈ کمپنی کی شاہی خودمختاری کا اقتدار ایک
سکنڈ بھی قائم رہنا محال ہے۔ یعنے پھر اس قوم پر مختارانہ و
جابرانہ حکمرانی نہیں ہوسکتی۔ اور حکمران طاقت کو مجبوراً اپنی روش

بدلنی پڑتی ہے۔

اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس قوم کی خانگی راحت بہشت کے نمونہ کی ہو جاتی ہے جس کی عورتیں سادگی پسند اور کفایت شعار ہو جائیں۔

پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ جو قوم دوسروں سے اپنے حق طلب کرتی ہے۔ اس کو اپنے ماتحتوں کے حقوق دینے کا خیال ضمیر کی طرف سے خود بخود ہونے لگتا ہے۔ اور ہندوستانی جس دن اس ضرورت کو محسوس کرنے لگیں گے۔ جسکا وقت قریب آگیا ہے۔ تو ماں باپ اولاد کے ساتھ۔ اور اولاد ماں باپ کے ساتھ۔ خاوند بیوی کے ساتھ اور بیوی خاوند کے ساتھ۔ شاگرد استاد کے ساتھ۔ اور استاد شاگرد کے ساتھ۔ اور اسیطرح اور سب تعلقات ولے ایسے یوما و متحد ہو جائینگے۔ کہ خانگی تکالیف کا نام و نشان بھی باقی نہ رہیگا۔

نقصانات جہاں گاندھی تحریک کے بکثرت فائدے ہیں۔ وہاں نقصانات بھی بہت ہیں۔ مثلاً امیروں کا طبقہ جو سوسائٹی کا خون تھا وہ عوام سے بالکل جدا ہو گیا ہے۔ اور اس تحریک کو خوف اور شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ اور صدہا قسم کی تجارتوں اور پیشوں کو گاندھی تحریک نے ادموا کر دیا ہے۔ اور یورپین ملکوں کا مال بیچنے والے تاجر تو بچارے دوہری ماریں ہیں ایکطرف اسچینج کی کمی بیشی نے انکو کروڑوں روپیہ کا زیر بار کر دیا۔ دوسری طرف گاندھی تحریک کے سبب ان کا مال فروخت نہیں ہوتا۔ جو وہ پہلے خرید چکے تھے۔ اور جس کے نہ بکنے سے

ان کی ساری ہستی برباد ہوئی جاتی ہے۔

یہ نقصانات جن کو میں نے چند الفاظ میں بیان کیا ہے معمولی نہیں ہیں۔ اگر ان سے بیخبری اور بے توجہی رہی۔ تو ملک کی آدھی مالی حیثیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ حالانکہ اس کے بننے میں پوری آدھی صدی خرچ ہوئی تھی۔

جواب دیدیا جائے گا کہ :-

کسی بڑے انقلاب کے وقت ہر جگہ یہ ہوا کرتا ہے۔ مگر عقلمند انقلاب کرنے والے ان معمولی باتوں کا بھی بندوبست کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ انسان وہی آزاد ہے۔ جو مفاد و ضرر کے ہر پہلو پر نظر رکھے ۔

یورپ میں سکندر اور نپولین دو فاتح تھے جنہوں نے ایشیا میں اپنی فتوحات کا سکہ چلایا۔ انگریزوں نے اگر ایشیا پر قبضہ کیا تو فاتحانہ قابلیت کے اس معیار سے نہیں جو سکندر و نپولین میں مانی جاتی ہے۔ نہ کسی خاص شخص پر ان فتوحات کا سہرا باندھا جا سکتا ہے۔

سکندر و نپولین کے مقابلہ میں اہل ایشیا چنگیز و تیمور و نادر و محمد فاتح کو پیش کر سکتے ہیں جن میں دو نے یورپ کو بھی فتح کیا تھا۔

مگر یورپ میں روحانی فاتح کوئی نہیں ہوا۔ ایسا فاتح جو ایشیا کے جمہوی دلوں پر قبضہ کر سکتا۔ البتہ ایشیا میں ایسے فاتح ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ جنکا اقتدار تمام یورپ کے عوام پر ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ ایشیائی تھے۔ اور یورپ و امریکہ کی تمام اقوام انکی حلقہ بگوش ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فتوحات روحانی اگرچہ یورپ کو ہمیشہ ناگوار ہیں تاہم آج ان ملکوں میں لاکھوں آدمی انکے پیرو ہیں۔ ہندوستان کے سری کرشن اور انکی گیتا کا قبضہ امریکہ اور یورپ کے دلوں پر موجود ہے۔ اگرچہ انگریز اپنی روحانی ناقابلیت کے سبب اس کی چنداں قدر نہیں کرتے۔ تاہم جرمنی اور امریکہ میں گیتا کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ مہاتما گوتم بدھ کا فلسفہ روحانی تو یورپ میں حضرت عیسیٰؑ سے بھی بڑھ کر مانا جاتا ہے۔ اور لاکھوں آدمی بدھ کا تابعدار ہونے پر فخر

کرتے ہیں:-

سوامی وویکانند۔ سوامی رام تیرتھ۔ عبد البہا عباس بابی مسیح مرزا قادیانی کے خیالات کی مقبولیت یورپ و امریکہ میں ہوئی۔ بابی فرقہ تو بکثرت امریکہ میں پھیل گیا ہے۔ اول الذکر سوامی صاحبان کے بھی لاکھوں چیلے امریکہ میں موجود ہیں۔

مہاتما گاندھی

اب آخر زمانہ میں ہمارا موہن داس گاندھی یورپ و امریکہ کا روحانی فاتح ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے اس کے جسم کو پونہ کے قریب قید کر رکھا ہے لیکن اس کے روحانی خیالات یورپ و امریکہ خصوصاً برطانیہ کے جمہوریت پسند لوگوں کو اپنا غلام بنا رہے ہیں۔

انگریزوں نے جب نپولین کو قید کر کے سینٹ ہلینا بھیجا اور اس کا جہاز انگلستان کے ساحلوں کے قریب آیا۔ تو جمہوریت پسند پبلک نے اسقدر پرجوش خیر مقدم کیا۔ کہ برٹش گورنمنٹ کو پریشان ہوکر ان پر فیر کرنے پڑے۔ کیونکہ نپولین کے جہاز کے گرد ہزاروں کشتیاں جمہوری انگریزوں کی جمع ہو جاتی تھیں۔ اور گورنمنٹ کو خوف ہوتا تھا۔ کہ وہ نپولین کو آزاد کرالیں گے۔

ایک روز جہاز کے ایک کم حیثیت نوکر سے نپولین نے کہا۔ کہ آج شام کو تم میرے ساتھ کھانے میں شریک ہونا۔ اس نے حسرت سے جوابدیا۔ میرے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ اور انگریز افسر مجھ کو کم حیثیت سمجھ کر اپنے ساتھ نہ بیٹھنے دیں گے۔ کیونکہ انگریز کپڑوں اور حیثیت

کو دیکھا کرتے ہیں۔
نپولین نے جواب دیا۔ اس میں تو انگریز افسروں کا نقصان ہے،
خیر کچھ نہیں۔ آج میں اپنے کمرے میں کھانا کھاؤنگا۔ تم وہاں آجانا۔
مجھے تمہاری بے حیثیتی بہت عزیز ہے۔
چنانچہ نپولین نے شام کو اسے بلاکر اپنے پاس بٹھاکر کھانا کھلایا،
اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ تمام جہاز کے ادنےٰ ملازم نپولین کے عاشق ہوگئے
مہاتما گاندہی کی قبولیت عام کا بھی یہی راز ہے۔ زور و قوت
کا انجام شرم و ندامت ہے۔ جیساکہ آج انگریز نپولین کے ساتھ بدسلوکی
کرنے کا جب خیال کرتے ہیں تو شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ہر
آدمی کا ضمیر جمہوریت پسند ہوتا ہے۔ جب یہ زمانہ گزر جائیگا۔ تو
مہاتما گاندہی کے حالات بھی برٹش قوم کو شرمندہ کرینگے۔
مہاتما گاندہی ایشیا کے بہت بڑے فاتح ہیں۔ اور انھوں نے
حریفوں سے یہ کہلا دیا ہے۔ کہ گاندہی میں حضرت عیسےٰؑ کے صفات
موجود ہیں۔
یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ سیاسی اقتدار روحانی اقتدار سے زیادہ طاقتور
ہوتا ہے۔ مگر سیاسی اقتدار کی عمر کم ہوتی ہے۔ اور روحانی اقتدار
صدیوں زندہ رہتا ہے۔
مہاتما گاندہی سیاسی اعتبار سے آجکل ایک معمولی قیدی ہیں
اور انکا روحانی اقتدار سیاست کی قوت سے مغلوب ہے۔ مگر سیاست کے
بیرونی میدانوں میں ان کے عقائد فاتحانہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور
کچھ عجب نہیں۔ اگر کسی دن انگلستان کے جمہوری میدان فتوحات

سے مغلوب ہو جائیں ۔ اور اقتدار پسند گورنمنٹ پر غالب آجائیں۔
بہرحال ایشیا کے روحانی فاتح یورپ و امریکہ پر ہمیشہ سے قابض ہیں ۔ اور ہر زمانہ میں ایک نہ ایک شخص ایسا پیدا ہوتا رہتا ہے ۔ جو از سر نو روحانی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔

امریکہ نے ایڈیسن پیدا کیا ہے ۔ جو ساری ایجادوں کو پیٹنٹ کراتا ہے۔ مگر امریکہ نے ٹالسٹائی اور گاندہی پیدا نہیں کیا ۔ جو روحانی خیالات کو آزاد رکھتا ہے۔

ہم ایشیائی ہماری چیزوں کو خوب خریدتے ہیں ۔ مگر اس سے زیادہ روحانی اشیاء کو خوب تقسیم کرتے ہیں ۔ اور اسکا معاوضہ نہیں لیتے ہیں ۔

گاندہی سکیم کا کچھ ہی حشر ہو ۔ لیکن اسمیں کوئی شخص کلام نہیں کر سکتا ۔ کہ گاندہی نے یورپ و امریکہ کو فتح کر لیا ہے ۔ اور اس طرح کہ مال غنیمت کو ہاتھ نہیں لگایا ۔ ایک قطرہ خون کا نہیں گرایا ۔ اور کسی صلح کانفرنس کی ضرورت نہ پڑی ؎
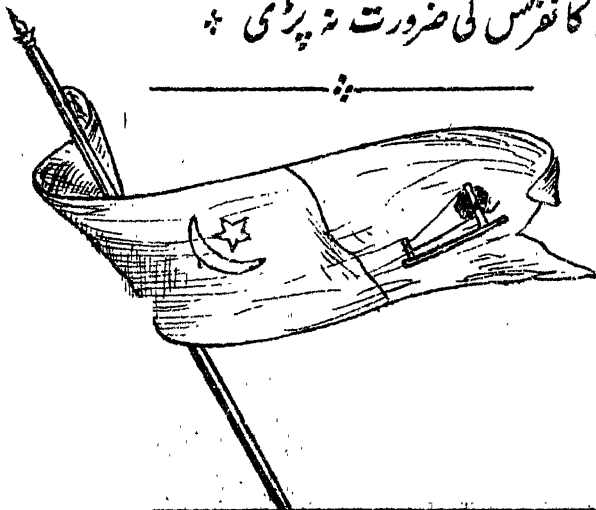
آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام رضی پر جو کفار نے کیں اور جس ثابت قدمی سے انکو برداشت کیا گیا۔ اسکا تذکرہ ہے ہر بزرگ کا علیحدہ علیحدہ حال ہے۔ قیمت ۲ر

اسمیں مبدء و معاد کی کیفیت نفس انسان کے اس کالبد خاکی میں جلوہ گر ہونے سے قبل و بعد کے حالات۔ اسرار روح کی سرگزشت۔ حضرت انسان کی لن ترانیاں ہیں کے ولولے۔ اور بالآخر بہ شفاعت خیر البشر ص بحر توحید میں غوطہ زن ہو کر قرب ربانی میں فائز ہونیکا تذکرہ ہے

قیمت ۲ر

گورنمنٹ اور خلافت

مسئلہ خلافت پر حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی ایک زبردست تحریر

قیمت ۲ر

مینیجر نظامیہ بکڈپو پٹیالہ سے طلب فرمایئے